صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے افتتاح کے موقع پر خطاب

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے افتتاح کے موقع پر خطاب

(فرمودہ 19 نومبر 1953ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"مایوسیاں اور ناکامیاں اُن لوگوں کو زیادہ شاق گزرتی اور اُنہیں زیادہ صدمہ پہنچانے والی ہوتی ہیں جو کامیابی کے زمانہ میں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ انہیں کبھی مایوسی نہیں آئے گی۔ اس وجہ سے ہجرت کا جو صدمہ ہماری جماعت کو پہنچ سکتا تھا اور پہنچا اس میں کوئی دوسری جماعت ہندوستان کی ہو یا پاکستان کی، شریک نہیں اور شریک نہیں ہو سکتی تھی۔ میری توجّہ تو اللہ تعالیٰ نے 1934ء سے ہی اِدھر پھیر دی تھی کہ ہمارے لئے اس قسم کا کوئی صدمہ مقدر ہے۔ چنانچہ یہ بات میرے 1934ء کے خطبات میں موجود ہے جن میں یہ مضمون بڑے زور سے بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کی تکرار رہی ہے لیکن ہماری جماعت نے اس طرف کوئی توجّہ نہ کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ان کی کسی غلطی یا کمزوریٔ ایمان کی وجہ سے تھا بلکہ یہ ان کی مضبوطیٔ ایمان کی وجہ سے تھا۔ ہاں یہ الٰہی کلاموں کی تشریح میں کوتاہی اور غفلت کا ثبوت ضرور تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں میں یہ بات موجود تھی کہ قادیان ترقی کرے گا، بڑھے گا، پُھولے گا اور پھلے گا اور احمدیت اس جگہ راسخ ہو گی۔ اس لئے جماعت احمدیہ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں اور پیشگوئیوں پر پورا یقین تھا اس میں

شُبہ کرنے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں تھی اور یہ ماننے پر آمادہ نہیں تھی کہ قادیان سے انہیں ہجرت کرنا پڑے گی۔ پس ان کا اس بنیاد پر یہ یقین رکھنا کہ چاہے کتنے ہی حوادث ہوں یہ جگہ ہمارے ہاتھ سے نہیں جائے گی ان کے ایمان کا ثبوت ہے لیکن ساتھ ہی اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ الٰہی کلاموں اور ان کی تشریحوں میں جو کبھی کبھی تعطل واقع ہو جایا کرتا ہے اور کبھی کبھی ان کی تعبیر وقتی طور پر ٹل بھی جایا کرتی ہے اس کے سمجھنے میں ان کی طرف سے کوتاہی واقع ہوئی۔

جن دنوں قادیان پر حملے ہو رہے تھے اور ہم سب دعاؤں میں مشغول تھے مَیں ایک دن بہت ہی زور سے دُعا کر رہا تھا کہ مجھے الہام ہوا ''اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَأْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا'' مَیں نے اُس وقت سمجھ لیا کہ ہمارے لئے عارضی طور پر پراگندگی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ مَیں کسی دن برکت اور یُمن کے ساتھ تم سب کو واپس لے آؤں گا۔ یہ آیت قرآن کریم میں ہے اور درحقیقت یہ مسلمانوں کے ہجرت کے بعد مکّہ واپس آنے پر دلالت کرتی ہے اور اس میں دونوں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ہجرت کی بھی اور ہجرت کے بعد مکّہ واپس آنے کی بھی۔ یعنی پہلے ہجرت ہو گی اور پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیابی کے ساتھ مکّہ واپس لائے گا۔

نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ ہم قادیان واپس جانا چاہتے ہیں اس لئے ہم ہندوستان کے ساتھ سازش کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ حب الوطنی کے خلاف تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض ایسا ہی بے ہودہ اور ناپاک ہے جیسے کوئی کہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کفّارِ مکّہ سے سازش کر کے مکّہ واپس آنا چاہتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خدا نے کہا تھا کہ میں تمہیں مکّہ واپس لاؤں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم سازش کے ساتھ یا منت سماجت کر کے اور ذلیل ہو کر جاؤ گے بلکہ یہ کہا تھا کہ تم کامیاب و کامران ہو کر مکّہ واپس جاؤ گے۔ پس اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ واپس جانا آپ کی کامیابی و کامرانی اور عزت کی دلیل ہے تو یہی بات آپ کے خادموں کے لئے بھی عزت اور ان کے مقرب ہونے کی

دلیل ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس طرح قادیان واپس نہیں لے جائے گا کہ ہم دیانت اور امانت اور حب الوطنی کے جذبات کو ترک کر کے وہاں جائیں بلکہ وہ ہمیں اس طرح وہاں لے جائے گا کہ ہم دین اور وطن اور حکومت کے لئے عزت کا موجب ہو کر وہاں جائیں گے۔ اس قسم کے معترض محض تنگدلی، عناد اور تعصّب کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور ان حقائق کے ماننے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ الٰہی جماعتوں کے ذریعہ دُنیا میں پیش کئے جا چکے ہیں اور جب یہ حقائق کئی دفعہ الٰہی جماعتوں کے ذریعہ دُنیا میں پیش کئے جا چکے ہیں تو ان کے بارہ میں دھوکا نہیں کھایا جاسکتا۔ پس یہ ایک دھکّا تھا جو ہماری جماعت کے لئے پہلے سے مقرر تھا۔ اُس وقت جماعت کے بعض لوگ ان لوگوں کو جنہیں میں قادیان سے باہر بھجوا رہا تھا مل کر یہ کہتے تھے یہ تو چند دن کی بات ہے، تھوڑے دنوں میں یہ حالت دُور ہو جائے گی ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ قادیان ہمارے ہاتھ سے چلا جائے۔ پھر اِن چند دنوں کے لئے اس قدر پریشانی کی کیا ضرورت ہے۔ قادیان کو چھوڑ کر جانا ایمان کی کمی کی علامت ہے مگر آج یہاں وہ لوگ بھی بیٹھے ہیں جو نظام کے ماتحت قادیان سے باہر آنے والوں پر معترض تھے۔ وہ اُس وقت قادیان سے باہر آنا کمیٔ ایمان کی علامت قرار دیتے تھے اور اب وہ خود بھی یہاں موجود ہیں۔ گویا جو بات میں نے بتائی تھی وہ صحیح تھی اور جس امر کی طرف ان کا ذہن جا رہا تھا وہ غلط تھا۔ لازمی طور پر وہ لوگ جو آنے والوں کو کہتے تھے کہ تم کہاں جا رہے ہو یہ تو چند دن کی پریشانی ہے قادیان ہمارے ہاتھ سے نہیں جاسکتا غلطی پر تھے اور ان کی یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں کی تشریح کو نہ سمجھنے اور ان سے اغماض کرنے کی دلیل تھی۔ اب جب وہ اُن لوگوں کے سامنے یہاں بیٹھے ہیں جنہیں وہ قادیان سے آنے پر ملامت کرتے تھے تو انہیں کس قدر شرم آ رہی ہو گی اور ان کی طبیعت پر یہ بات کس قدر گراں گزر رہی ہو گی کہ وہ لوگ جنہیں وہ کہتے تھے کہ تم بیوقوف ہو کہ قادیان سے باہر جا رہے ہو اب وہ انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ آپ کہاں آ گئے۔ بہر حال جس طرح یہ صدمہ جماعت احمدیہ کو پہنچا ہندوستان اور پاکستان کی کسی اَور جماعت کو نہیں پہنچا۔

پھر ہم نے یہ تجویز کی کہ ہم ایک نیا مرکز بنائیں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ ہمیں نئے مرکز کی ضرورت ہو گی اور ایک رؤیا میں مجھے صاف طور پر نظر آیا تھا کہ ہم ایک نئی جگہ پر اپنا مرکز بنا رہے ہیں۔ اُس وقت بھی اسی اثر کے نیچے یہ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ہمیں نئے مرکز کی کیا ضرورت ہے؟ وہ لوگ ہمارے ساتھ قادیان سے نِکل تو آئے تھے لیکن ابھی ان کے اندر یہ خیال باقی تھا کہ یہ چار پانچ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کی بات ہے اس کے بعد ہم قادیان واپس چلے جائیں گے۔ لیکن میرا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ چاہے چار ماہ کے لئے ہو یا چار دن کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے ایک مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ تم ریل کے تین چار گھنٹے کے سفر میں بھی آرام چاہتے ہو اور سیٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ دین کی اشاعت اور دین کے آرام کا خیال نہ رکھا جائے۔ اس کے لئے مرکز کی تلاش کیوں نہ کی جائے۔ ایک پراگندہ جماعت اشاعتِ دین کا کام نہیں کر سکتی۔ جو جماعت یہ خیال کرتی ہے کہ دس بارہ ماہ اشاعتِ دین کا کام نہ ہؤا تو کیا ہؤا؟ وہ جماعت جیتنے والی نہیں ہوتی شکست خوردہ ذہنیت کی مالک ہوتی ہے۔ کام کرنے والی اور اپنے مقصد کو پورا کرنے والی جماعت وہ ہوتی ہے جو کہے کہ ہمارا ایک دن بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔

پھر مَیں نے ان لوگوں کو بتایا کہ دیکھو اتنی بڑی مصیبت ایک دو دن کے لئے نازل نہیں ہؤا کرتی۔ یہ ایک وقت چاہتی ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ نے کسی مصیبت کو جلدی سے ٹلا دینا ہو تو وہ اسی نسبت سے مصیبت کو نازل کرتا ہے۔ دیکھو جب کسی کا باپ مَرتا ہے، ماں مرتی ہے یا کوئی اور رشتہ دار مرتا ہے جو خاندان کا نگران ہوتا ہے تو کتنی آفت آجاتی ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے یہ قانون نہیں بنایا کہ کوئی صبح مَرے تو شام کو جی اُٹھے بلکہ اس کا یہ قانون ہے کہ وہ اگلے جہان میں زندگی پاتا ہے اور اس کے وہ رشتہ دار جو اس سے ملنے کی تمنا رکھتے ہیں وہ بھی ایک لمبے عرصہ کے بعد وفات پا کر اس سے ملتے ہیں پہلے نہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو سات آٹھ سال کے بعد مکّہ فتح ہؤا اور اس کے بعد بھی خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ آپ مکّہ میں نہیں بسے

بلکہ صحابہؓ نے تو نبوت کے پانچویں سال ہی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جس کے معنے یہ تھے کہ وہ 16 سال تک وطن سے الگ رہے پھر کہیں جاکر مکّہ فتح ہوا۔ مگر جب مکّہ فتح ہوا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی مدینہ کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا۔ گویا ان کے لئے ہمیشہ کی ہجرت ہو گئی۔ تو مَیں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ تین چار ماہ کی بات نہیں اور اگر یہ تین چار ماہ کی بات بھی ہو تب بھی جب تم تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنے لئے آرام چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دین اور اشاعت کے لئے سالوں انتظار کیوں کیا جائے۔ بہر حال ایک طبقہ کی مخالفت کے باوجود جماعت نے یہی فیصلہ کیا کہ میری رائے ہی ٹھیک ہے اور ہمیں مرکز بنانا چاہئے۔ چنانچہ یہ جگہ جو میری بعض پُرانی خوابوں سے مطابقت رکھتی تھی مرکز کے لئے تجویز کی گئی۔ جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان میں تھوڑے ہی ہیں جنہوں نے اس جگہ کو ابتدائی حالات میں دیکھا۔ اکثر نے اسے ابتدائی حالت میں نہیں دیکھا۔ ابتدائی حالت میں یہاں بسنے والے غالباً 35 آدمی تھے۔ ان کے لئے سڑک کے کنارے خیمے لگائے گئے تھے۔ جہاں اب بھی بعض کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ابتداءً لنگر بنا تھا۔ اب وہ سٹور کا کام دیتے ہیں۔ ایک سال کے قریب وہاں گزارا۔ پھر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ہم نے عارضی مکان بنائے تا ان میں وہ لوگ بسیں جنہوں نے شہر آباد کرنا ہے۔ پھر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے یہ بلڈنگس بنیں جو اَب تمہیں نظر آتی ہیں۔ اس عظیم الشان صدمہ کے بعد جماعت نے اتنی جلدی یہ جگہ اس لئے بنائی تا کہ وہ مِل کر رہ سکیں۔ اکٹھے رہ کر مشورے کر سکیں۔ سکول اور کالج بنائیں تا کہ اُن کی اولاد تعلیم حاصل کرے۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کو اتنا صدمہ نہیں پہنچا ان میں سے کوئی جماعت بھی اپنا مرکز نہیں بنا سکی۔

بعض معترض کہتے ہیں کہ ہمارا یہاں ایک علیحدہ جگہ بس جانا مُلک سے بیوفائی کی علامت ہے۔ یہ نہایت ہی احمقانہ خیال ہے کیونکہ ایک قسم کے کام کرنے والوں کے لئے اکٹھا رہنا ضروری ہوتا ہے چاہے وہ حبّ الوطنی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ دوسرے شہروں میں جاؤ وہاں تم دیکھو گے کہ تمام نیچہ بند[1] اکٹھے رہتے ہیں، نائی

اکٹھے رہتے ہیں، دھوبی اکٹھے رہتے ہیں، موچی اکٹھے رہتے ہیں کیونکہ اُنہیں اپنے کام کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ اکٹھے نہ رہیں تو بہت سی مُشکلات کا سامنا ہو۔ مثلاً اگر ایک نائی بیمار ہو جائے اور اس کا قائمقام وہاں موجود نہ ہو تو لوگوں کو کتنی دقّت کا سامنا ہو۔ ایک دھوبی کا مسالہ ختم ہو جائے تو وہ اپنے ساتھیوں سے مانگتا ہے۔ اگر اس کے قریب دوسرے دھوبی نہ ہوں تو اس کے کام میں روک پیدا ہو جائے۔ نیچہ بندی کے سلسلہ میں بھی بعض چیزیں ختم ہو جاتی ہیں تو نیچہ بند اپنے ہمسایوں اور اپنے قریب رہنے والوں سے مانگ لیتے ہیں۔ اگر ایک نیچہ بند ایک شہر میں رہتا ہو اور دوسرا دوسرے شہر میں تو وقتی ضرورت کے وقت کیا وہ دوسرے شہروں میں جاکر وہاں کے نیچہ بندوں سے وہ چیزیں مانگے گا؟

غرض ایک ہی کام کرنے والوں یا ایک ہی قسم کے پیشہ وروں کا اکٹھا رہنا ضروری ہے اور یہ معاشرتی اور اقتصادی حالت کا نتیجہ ہے، حبّ الوطنی کی کمی کا نتیجہ نہیں۔ کراچی اور لاہور کے شہروں میں دیکھ لو کیا ایک ہی پیشہ والے لوگ اکٹھے نہیں رہتے؟ ہم تو اب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جو لوگ مشرقی پنجاب سے آئے ہیں ان میں سے جن کے آپس میں تعلقات تھے انہیں یہاں آکر الگ الگ قصبات بسانے چاہئے تھے۔ مَیں نے تو 1947ء میں یہاں تک کہا تھا کہ اُردو دانوں کی بھی الگ بستی ہونی چاہئے تا کہ ان کی زبان خراب نہ ہو۔ اب اگر میری تجویز کے مطابق اُردو دان الگ شہر آباد کر لیں تو کیا یہ لوگ کہیں گے کہ ان کا ایسا کرنا حُبُّ الْوطنی کی کمی کی وجہ سے ہے؟ حالانکہ اُنہوں نے الگ شہر اس لئے آباد کیا ہو گا تا کہ زبان کی سی قیمتی چیز ضائع نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اُردو زبان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ اُردو دان پنجابیوں میں بس رہے ہیں اور ان کی اولادیں پنجابی زبان سیکھ رہی ہیں۔ ہمارے اپنے رشتہ داروں کی یہی حالت ہے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے تو اُن کی زبان ٹکسالی زبان سمجھی جاتی تھی۔ ان میں کثرت سے ادیب پائے جاتے تھے۔ وہ ماہرینِ زبان تھے مگر اب وہ اِدھر آ گئے ہیں اور ان میں سے دس بیس گھرانے لاہور میں بس گئے ہیں۔ بعض جیل روڈ پر آباد ہیں، بعض

شیر انوالہ گیٹ میں ہیں اور بعض میو روڈ پر ہیں یعنی وہ دس بیس گھرانے بھی لاہور کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔ پنجابی ماحول کی وجہ سے ان کی اولادیں پنجابی زبان سیکھ رہی ہیں۔ اگر کسی بچے کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے "اماں میرے ڈِڈھ وچ پِیڑ ہوندی اے" اور مائیں انہیں پنجابی زبان بولتے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں اور ہنس کر کہتی ہیں دیکھیں! یہ بچہ کس طرح آسانی کے ساتھ پنجابی بولتا ہے۔ گویا خواجہ میر دردؔ کا نواسہ مرزا غالب اور مومن خان کا بھانجا "میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے" کی بجائے "میرے ڈِڈھ وچ پیڑ ہوندی اے" کہتا ہے اور ماں ہنس کر کہتی ہے دیکھیں! ہمیں تو پنجابی بولنی نہیں آتی مگر یہ بچہ خوب پنجابی بول سکتا ہے۔

پس مَیں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ گورنمنٹ تھل کا علاقہ آباد کرنا چاہتی ہے اسے چاہئے کہ وہ مظفر گڑھ کے علاقہ میں چالیس میل کا علاقہ صرف اُردو دانوں کے لئے وقف کر دے تا کہ جو لوگ قُربانی کر کے وہاں آباد ہو سکیں، آباد ہو جائیں اور اس طرح اُردو زبان محفوظ ہو جائے لیکن شاید وہ اُردو دان مجھ سے زیادہ عقلمند تھے کہ وہ اکٹھے ایک جگہ آباد نہ ہوئے تا کل کوئی معترض یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا ایک علاقہ میں آباد ہونا حُبُّ الْوطنی کے خلاف ہے۔ حالانکہ ایک خاص قسم کی تنظیم اور خاص مقصد کو سامنے رکھنے والے لوگ بالعموم ایک ہی جگہ پر اکٹھے رہتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا معاشرتی اور اقتصادی حالت کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ کوئی جماعت اخلاق کی تعلیم دیتی ہے، کوئی جماعت تصوّف کی طرف مائل ہوتی ہے، کوئی جماعت احادیث کو رواج دینا چاہتی ہے اور اسے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اکٹھا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اہلِ حدیث کی ایک شاخ نے دیوبند آباد کیا تھا۔ اسی طرح بعض جگہیں دوسرے اہلِ حدیث نے بنائی ہیں مثلاً حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ کے مریدوں نے بعض جگہیں بنائی ہیں کیونکہ ان کا اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اکٹھے رہنا ضروری تھا۔ اگر وہ لوگ الگ الگ جگہوں پر پھیلے ہوئے ہوں تو وہ سکول اور کالج کس طرح چلا سکتے ہیں۔ اگر وہ لاہور، گوجرانوالہ، گجرات اور لائل پور میں پھیلے ہوئے ہوں اور اُن کا کالج لاہور میں ہو تو کیا

ان کے لڑکے ان تمام ضلعوں سے لاہور جائیں گے تاکہ وہ اپنے کالج میں تعلیم حاصل کر سکیں؟ یا اگر ایک ہی مقصد رکھنے والے لوگ ضلع لاہور کے مختلف شہروں میں آباد ہوں تو کیا ان کے بچے کسی ایک پرائمری سکول میں اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ اور اگر وہ ایک شہر میں رہتے ہوں تو ان کا کالج چل سکتا ہے۔ اگر وہ ایک محلہ میں رہتے ہوں تو ان کا پرائمری سکول چل سکتا ہے لیکن اتنی چھوٹی سی بات بھی ہمارے مُلک کے بعض افراد کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے تو اُس وقت شور مچایا تھا کہ امرتسر والوں کو بھی الگ شہر آباد کرنا چاہئے کیونکہ اُنہوں نے ایک خاص قسم کا ماحول بنا لیا تھا اور بعض خاص قسم کی تجارتیں اس شہر میں چل رہی تھیں۔ ہم نے اُس وقت یہ کہا تھا کہ جالندھر، پانی پت اور لدھیانہ والوں کو بھی الگ الگ قصبات آباد کرنے چاہئیں تاکہ خاص قسم کی تجارتیں اور صنعتیں جو ان شہروں میں چل رہی تھیں دوبارہ جاری کی جاسکیں۔ اگر انہیں الگ الگ جگہوں پر نہ بسایا گیا تو وہ مخصوص تجارتیں اور صنعتیں تباہ ہو جائیں گی۔ ہم نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ زبان اُردو کو زندہ رکھنے کے لئے اس کے بولنے والوں کو ایک علیحدہ علاقہ میں آباد کیا جائے اور پھر جو لوگ قربانی کر کے وہاں آباد ہو سکیں آباد ہو جائیں۔ وہاں وہ اپنے سکول بنائیں، کالج بنائیں تاکہ زبان صاف رہے۔ مَیں نے کہا تھا کہ اس کے لئے چالیس میل کے رقبہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ قریب کا علاقہ زبان پر اثر ڈالتا ہے۔ اگر بیچ میں شہر آباد ہو اور اردگرد بھی اس زبان کے بولنے والے آباد ہوں تو شہر کی زبان محفوظ رہے گی بلکہ ممکن تھا کہ اردگرد کے علاقہ میں بھی اُردو زبان پھیل جاتی اور آہستہ آہستہ اکتالیسویں میل کے علاقہ کے لوگ بھی اُردو بولنے لگ جاتے۔ پھر بیالیسویں میل کے علاقہ والے بھی اُردو بولنے لگ جاتے۔ پھر تینتالیسویں میل کے علاقہ والے بھی اُردو بولنے لگ جاتے کیونکہ اُردو ایک علمی زبان ہے اور علمی زبان جلد پھیل جاتی ہے۔

غرض ہم تو یہ تحریک کر رہے تھے کہ ہر تجارت، صنعت اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ الگ الگ قصبات آباد کریں بلکہ اُردو دان بھی ایک الگ علاقہ میں آباد ہوں مگر اُلٹا ہم پر الزام لگایا گیا کہ ہم حکومت کے خیر خواہ نہیں اور اس وجہ سے الگ آباد

ہونا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شہروں کا بسانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ تغلق بادشاہ نے اپنے نام پر تغلق آباد بسانا چاہا لیکن باوجود اس کے کہ وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ تھا وہ یہ شہر آباد نہ کر سکا۔ پس نئی جگہوں پر شہر بسانا اور پھر کسی سکیم کے ماتحت شہر بسانا آسان کام نہیں ہوتا۔ بعض شہر اتفاقی طور پر بس جاتے ہیں لیکن ارادہ کے ساتھ شہر بسانا ہو تو وہ نہیں بستا۔ لوگوں نے ہزاروں شہر بسائے جن میں سے صرف بیسیوں رہ گئے ہیں باقی سب اُجڑ گئے۔ صرف بغداد ایسا شہر ہے جسے مسلمانوں نے ارادہ کے ساتھ بسایا تھا اور وہ بس گیا لیکن جو رونق اس کی پہلے زمانہ میں تھی اب نہیں رہی۔ کسی زمانہ میں اس کی آبادی چالیس لاکھ تھی اب دو لاکھ ہے۔ اسی طرح بعض اَور شہر بھی تھے جو بسائے گئے لیکن ان میں سے اکثر اُجڑ گئے اور ان کی جگہ ایسے شہر ترقی کر گئے جو اقتصادی وجوہ سے یا پبلک میں ایک خاص رَو چل جانے کی وجہ سے خود بخود آباد ہو گئے تھے۔

پس ہمارا کام ایسا تھا کہ حکومت کو پبلک میں اسے بطور نمونہ پیش کرنا چاہئے تھا اور ہمیں اس کارنامہ پر شاباش دینی چاہئے تھی بلکہ چاہئے تھا کہ وہ فخر کرتی کہ اس غریب جماعت نے جو اپنا سب کچھ لُٹا کر یہاں آئی تھی ایک الگ شہر آباد کر لیا۔ کئی سوسائٹیاں اپنے ارادہ میں ناکام رہیں اور ہمیں خدا تعالیٰ نے یہ موقع دیا کہ ہم نے باوجود کم مائیگی اور سامان اور ذرائع کے محدود ہونے کے شہر بسا لیا۔ یہ کتنی بڑی خدمت تھی مُلک کی کہ اتنی بڑی تعداد انسانوں کی جو لاہور میں بس رہی تھی ہم نے اسے یہاں آباد کر دیا اور لاہور کی Congestion کو دور کر دیا۔ چھ سات ہزار نفوس کو ہم لاہور سے نکال لائے۔ آخر شہری طور پر یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ہم نے لاہور کو پہنچایا۔ چاہئے تھا کہ دوسری جماعتیں بھی ہم سے نمونہ لیتیں مگر بجائے اس کے کہ وہ ہماری نقل میں قصبات تعمیر کرتے چونکہ وہ یہ کام نہ کر سکے اس لئے اُنہوں نے ہم پر بغاوت کا الزام لگا دیا اور کہا ربوہ جو اڑھائی تین میل کا علاقہ ہے اور ہر قسم کے سامانوں سے محروم ہے مُلک کے لئے خطرناک قسم کی سُرنگ بن گیا ہے۔ یہ غلط اور کمزور ذہنیت کا مظاہرہ تھا جو کیا گیا۔ تعلیم یافتہ طبقہ کو

چاہئے تھا کہ وہ ایسے معترضین کو اس بات کی وجہ سے ملامت کرتا اور کہتا تم کیوں بِلا وجہ شک کرتے ہو اور ہمیں دھوکا دیتے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے ان لوگوں کو ایک ایسے کام کی توفیق دی جو قوم اور مُلک کے لئے باعثِ صد فخر ہے۔ ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ کام کرنے والوں سے حوصلہ پکڑتی ہیں اور ان سے نمونہ لیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ یہ مُلک اور قوم کے لئے ترقی کی ایک صورت پیدا کی گئی ہے لیکن ان معترضین نے یہ نمونہ دکھا کر اور یہ کہہ کر کہ اِس قصبہ کی وجہ سے مُلک کا امن خطرہ میں پڑ گیا ہے ایک خطرناک کذب بیانی سے کام لیا۔ بہر حال ہم سمجھتے ہیں کہ ہم میں زور نہیں تھا، طاقت نہیں تھی ہم بھی ویسے ہی تھے جیسے ہمارے دوسرے مہاجر بھائی ہیں ہمارے سامان بھی کم تھے لیکن اس کے باوجود خدا تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اپنے آپ کو دُکھ میں ڈالیں اور یہاں آکر مکان بنائیں اور نہ صرف یہاں مکانات بنائیں بلکہ اپنے چندوں کو بھی قائم رکھیں۔

ناظر صاحب اعلیٰ نے ایڈریس میں کہا ہے کہ ہمارے چندے کم ہو گئے ہیں یہ بات درست نہیں۔ ہمارے چندے کم نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے برابر بڑھ رہے ہیں اگر قادیان کے چندوں کو مِلا لیا جائے جہاں دو اڑھائی لاکھ روپیہ کے قریب سالانہ جمع ہوتا ہے تو چندے پہلے سے زیادہ ہیں اور اگر تحریک جدید کے چندوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ اَور بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی دی ہوئی نعمت ہے۔ چاہئے کہ اس پر جماعت کے اندر شکریہ کا احساس پیدا ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ دوسرے لوگوں نے ہمارے اس کام کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اگر وہ ہماری نقل کرتے اور بیس گاؤں اور آباد کر لیتے تو ہم خوش ہوتے کہ انہوں نے پاکستان کی مضبوطی کا ثبوت دیا ہے اور فاتحانہ سپرٹ کا اظہار کیا ہے لیکن کام کرنے کی بجائے دوسروں پر دباؤ ڈالنا شکست کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک قابلِ فخر کارنامہ تھا کہ اُجڑے ہوئے لوگوں نے ایک شہر بسا لیا اور ہمارا مُلک اس کارنامہ پر دوسرے مُلکوں میں فخر کر سکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ آؤ دیکھو

ہمارے مہاجروں نے کیسا شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ان لوگوں نے مصائب پر ہنسنے کی توفیق پائی ہے۔

بہرحال جماعت کو چاہئے کہ وہ دُعا کرے کہ ہم جس مقصد کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ ہمارا مقصد یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام بُلند ہو، اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ وسیع ہو، دینی تعلیم حاصل کرنے والے لوگ یہاں جمع ہوں اور وہ یہاں رہ کر دینی تعلیم حاصل کریں۔ ذکرِ الٰہی، نماز اور روزہ کا چرچا ہو، بُری رسومات سے بچنے کی توفیق ملے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان نیتوں اور ارادوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشے اور ہمیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اس شر سے بھی جو ماحول کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں نظرِ بد سے بچائے اور اس شر سے بھی جو خود ہمارے نفس کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمیں بیرونی نظر بھی نہ لگے اور اندرونی طور پر بھی ہماری اصلاح ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو كَمَا حَقُّهٗ پورا کرنے کی توفیق دے جو ہمارے ذمّہ لگائے گئے ہیں۔ اسلام اُس وقت ترقی کرے گا جب ہم ان فرائض کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کئے گئے ہیں۔ اگر ہم ان کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے تو اسلام ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اگر ہم نے اشاعتِ دین کی طرف توجّہ نہ کی تب بھی اسلام ترقی نہیں کر سکتا۔

پس تم دعائیں کرو، ذکر الٰہی کرو اور اپنے اعمال کی اصلاح کرو تا خدا تعالیٰ تمہیں اشاعتِ دین کی توفیق بخشے جو تمہارے ذمّہ لگائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حاسدوں کے حسد اور کینہ وروں کے کینے سے محفوظ رکھے۔ وہ تمہارا خود حافظ و ناصر ہو اور تمہیں ان دُشمنوں سے بھی بچائے جنہیں تم جانتے ہو اور ان دُشمنوں سے بھی بچائے جنہیں تم نہیں جانتے۔" (روزنامہ الفضل ربوہ جلسہ سالانہ نمبر دسمبر 1955ء)

1: **نیچہ بند:** نیچہ باندھنے والا۔ حُقّہ کے نیچے بنانے والا